أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا

(یا اسی طرح اُس شخص کو [نہیں دیکھا] جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی)

آیت الکرسی میں الحی القیوم کے مزید دلائل میں یہ دوسری مثال دے کر واضح کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ واقعہ عزیرؑ کے بارے میں ہے۔ قرآن میں نام تو نہیں بتایا گیا۔ ہو سکتا ہے عزیرؑ ہو یا کوئی اور شخص ہو۔ جو بھی شخص تھا اسکے بارے میں کہا گیا کہ وہ ایک اُجڑی بستی سے گزرا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ بخت نصر نے حملہ کر کے اُس بستی کو برباد کر دیا تھا۔

خاویۃ ← (خ و ی) :- کسی عمارت کا ویران ہو کر گر پڑنا / خالی ہونا۔
اگر کوئی عمارت کو سنبھالنے والا نہ ہو تو کچھ عرصے بعد عمارت کی چھت پہلے گرتی ہے۔

عُرُوشِهَا ← (ع ر ش) :- (عَرْش کی جمع) اسکے کئی معنی آتے ہیں لیکن یہاں مراد چھت ہے۔
کسی عمارت کی چھت اکثر اس وقت گرتی ہے جب آندھی طوفان تیز ہو یا عمارت بہت ہی پرانی ہو۔
عام طور پر جب پرانی عمارتیں گرتی ہیں تو پہلے اُنکی چھتیں گرتی ہے۔ یعنی یہ بستی اتنی پرانی تھی کہ عمارتوں کی چھتیں گری پڑی تھی۔ بالکل ویران بستی تھی۔ صرف ویران ہی نہیں بلکہ اُس بستی پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔

قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا

(اس نے کہا: اللہ اِس بستی کو کیسے زندہ کریگا اس کی موت کے بعد؟)

اُس ویران بستی کو دیکھکر انھوں نے تعجب میں کہا کہ اِس بستی کو کسطرح اللہ زندہ کریگا۔

کیف اور أَنَّىٰ دونوں کا معنی "کیسے" ہے لیکن فرق یہ ہے کہ أَنَّىٰ تعجب کا اظہار ہے۔
انکو شک نہیں تھا۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ "اللہ زندہ نہیں کر سکتا" بلکہ تعجب سے کہا کہ (اِس بربادی کے بعد) اللہ اِس بستی کو کیسے زندہ کریگا۔ انھوں نے تعجب سے کہا تو عملی تجربہ انہی پر کر کے انھیں بتایا گیا۔

فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

(تو اللہ نے اسے سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اُسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو کتنی دیر [یہاں] رہا ہے؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو [موت کی حالت میں] سو سال رہا [ہے])

اللہ تعالیٰ نے اس سوچنے والے شخص کو سو سال تک موت دی پھر دوبارہ زندہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کتنی دیر یہاں رُکے۔ وہ کہنے لگے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ چونکہ انکے پاس سورج کے سوائے وقت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ جب جا رہے تھے تو پہلا پہر تھا اور جب اٹھے تو دوسرا پہر تھا۔
بعض اوقات شام کے وقت گہری نیند سے سو کر اٹھے تو ہمیں ایسے لگتا ہے جیسے رات بھر سو کر صبح اٹھے ہے۔ اور سورج طلوع ہو رہا ہے حالانکہ اس وقت سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے۔ ویسے بھی طلوع اور غروب ہوتے سورج کی مشابہت ہوتی ہے اِسلیے ایسا سمجھ رہے ہوتے ہیں۔
قیامت کے دن بھی جب انسان اٹھے گا، اُسے بھی وقت کا کچھ اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ کتنا عرصہ مر کر رہا۔
موت کے بعد انسان مکان اور زمان کے آگے نکل جاتا ہے۔ اُسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہے؟ اُسے یہ بھی نہیں پتہ ہوتا کہ کیا وقت ہو رہا ہے۔ اِسلیے مُردے کو کہیں بھی دفن کر دو تو اُسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اُس کے لیے ساری زمین، زمین ہی ہے۔ مرنے کے بعد انسانوں کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اُنکے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ اسلیے وہ لوگ جو مُردوں کے پاس جا کر دعائیں مانگنا شروع کرتے ہیں، انکو پکارنے لگتے ہیں، وہ ایک لایعنی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر اس واقعہ میں وہ شخص پیغمبر (عزیرؑ) تھے تو اِس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر بھی اٹھنے کے بعد نہیں جانتے کہ وہ کتنا سوئے اور کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ وہ قبر کے اندر یہ نہیں جانتے کہ قبر کے باہر لوگ پکار کیا رہے ہیں۔ بہرحال
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ تم یہاں سو سال پڑے رہے۔

فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ

(بس اپنے کھانے اور پینے کی طرف دیکھو وہ بالکل سڑا بسا نہیں اور اپنے گدھے [کے ڈھانچے] کو دیکھو)

لَمْ يَتَسَنَّهْ : 1) س ن ن ← مُتَغَیّر یعنی تبدیل ہونا / سڑی بسی نہیں
2) س ن و ← سالہا سال گزر جانے سے بھی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی اسکی تازگی ختم ہوئی۔
اِس میں ہائے استراحت یعنی ہائے سکتہ ہے۔

عموماً کھانا پینا پہلے سڑتا ہے لیکن اُسے اللہ نے بچا لیا اور گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا۔ گوشت باقی نہیں رکھا یعنی گدھے کو بالکل ختم کر دیا۔ حالانکہ گدھے کی بنسبت کھانا جلد ہی سڑ گل جاتا ہے۔ اگر ہم کھانا فریج میں نہ رکھے تو جلد ہی سڑ جاتا ہے اور کبھی کبھی فریج میں رکھنے کے باوجود بھی اُس پر پھپھوندی (fungus) آجاتی ہے۔ یا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے اور ویسے بھی تازگی تو ختم ہو ہی جاتی ہے لیکن سو سال بعد بھی اُس شخص کا کھانا پینا خراب نہیں ہوا۔

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ

(اور تاکہ ہم بنا دے تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دے)

زمانہ بھی اللہ ہی کے کنٹرول میں ہے۔ حالانکہ تینوں (کھانا پینا، گدھا اور شخص [عزیرؑ]) پر ایک ساتھ زمانہ گزر رہا تھا لیکن تینوں پر زمانہ الگ الگ انداز سے چل رہا تھا۔ کھانے پر زمانے کو روک دیا گیا۔ عزیرؑ اور گدھے پر زمانہ الگ الگ انداز سے چل رہا تھا۔ اسکا مطلب زمانہ چلانے والا وہ ہے جسکے کنٹرول میں زمانہ ہے۔
یہ تجربہ ہم نے تم پر اسلیے کیا کہ تجھ کو لوگوں کے لیے نشانی بنائے۔ وہ نشانی دیکھنا چاہتے تھے لیکن انہی کو نشانی بنا دی گئی۔
روایات میں آتا ہے کہ جب وہ واپس اپنے گھر لوٹے تو انکے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ اِسطرح یہ معجزہ لوگوں کے لیے ایک نشانی بن گئی کہ جو شخص سو سال مر چکا تھا وہ دوبارہ زندہ ہو کر آ گیا سو سال گزرنے کے باوجود انکا جسم خراب نہیں ہوا۔

(+) عَامٍ : سال
وہ سال جس میں وسعت اور فراوانی ہو۔ خیر و عافیت کا سال (A plentiful/good year)
اِسی لیے "عام" کا لفظ بطورِ دعا بھی استعمال ہوتا ہے۔ عید کے موقعہ پر اہلِ عرب ایک دوسرے کو عید مبارک کی بجائے أَنتُمْ وَكُلُّ عَامٍ بِخَيْرٍ کہتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ کرے تمہارا یہ سال خیر و عافیت سے گزرے۔
اِس آیت میں "خیر و عافیت کا سال" معنی ہے کیونکہ وہ شخص سو سال تک مر گیا تھا لیکن جب زندہ ہوا تو مکمل طور پر صحت مند تھا۔ اسکا جسم خراب نہیں ہوا۔

لیکن کبھی کبھار "عام" (سال) کا لفظ عام (general) معنی میں بھی ہوتا ہے۔
مثلاً وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ (اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال)
(لقمان : 14)

چونکہ "سال" کی بات کر ہی رہے ہیں تو دوسرے الفاظ کا بھی مختصراً مطالعہ کرتے ہیں:

سَنَة : یہ لفظ "سال" کے لیے زیادہ عام (general) ہے۔ یہ لفظ وقت، زمانہ اور تقویم (calendar) کا حساب رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہی لفظ سختی کے سال یا تکلیف، خشک سالی اور قحط سالی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (ہم اردو میں بھی "سنہ" سال کو کہتے ہیں)

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ (اور ہم نے فرعون والوں کو کئی سال قحط میں مبتلا رکھا۔)
(الاعراف : 130)

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ([نوحؑ] ان میں پچاس سال کم ہزار سال رہے)
(العنکبوت : 14)

اِس آیت میں ساڑھے نو سو سال جو نوحؑ کے قوم سے مخالفت اور تکلیف میں گزرے اسکے لیے لفظ سنین استعمال کیا گیا اور نبوت سے پہلے کے پچاس سال کو، جن میں کچھ جھگڑا اور پریشانی نہ تھی اسکے لیے لفظ "عام" استعمال کیا گیا۔

حَوْل : (حَالَ بمعنی ایک حالت سے دوسری حالت بدلنا) سال کا عرصہ گزر جانا یعنی کسی سال کی ایک مخصوص تاریخ سے لے کر اگلے سال کی اسی تاریخ کا عرصہ۔
اسلیے زکات بھی حَوْل کے حساب سے ادا کی جاتی ہے اور رضاعت اور طلاق میں بھی حَوْل ہی کا حساب رکھا جاتا ہے۔

وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرۃ : 240) (وہ (متوفی شوہر) اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔)

حِجَج (واحد: حِجَّة) : اِسکا تعلق حج کے سال سے اگلے حج کے سال تک کا عرصہ ہے۔ جونکہ حاجی عارضی وقت کے لیے وہاں جاتے ہیں اور حج سال میں ایک بار ہوتا ہے اسلیے اس حساب سے یہ لفظ "سال" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ (القصص : 27) (میں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دو بیٹیوں میں سے کسی ایک کا تجھ سے نکاح کر دوں۔ بشرطیکہ تم میرے پاس آٹھ سال کام کرو)
یہاں حِجَج لفظ استعمال کر کے بتایا گیا کہ موسیٰؑ کا مدین میں قیام اِس کام کے لیے عارضی تھا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے حاجی کا قیام حج کے لیے عارضی ہوتا ہے۔ اِسی طرح موسیٰؑ کا قیام تھا۔
[نوٹ: عَامُ الْحُزْن نہ حدیثوں سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ سے۔ جس سال خدیجہؓ اور آپؐ کے چچا عبد المطلب کا انتقال ہو گیا تھا اُسے لوگوں نے "عام الحزن" کہنا شروع کیا۔ ایسا کہنا صحیح نہیں ہے]

وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا

(اور [گدھے کی] ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ ہم کیسے انھیں اُبھار [اٹھا] کر جوڑتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں)

نُنشِزُهَا (ن ش ز) : النَّشْز بلند زمین کو کہتے ہیں۔ یہ زندہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اِسی طرح ترتیب سے اکٹھا کرنا، جوڑ دینا، حرکت دینا، اٹھا دینا۔ اِس میں سارے معنی آتے ہیں۔
تم سوچتے ہو کہ اللہ مُردوں کو زندہ کیسے کریگا! گدھے کے ہڈیوں کے ڈھانچے پر ہم گوشت کیسے چڑھاتے ہیں، وہ بھی دیکھو۔
عزیرؑ نے اپنی آنکھوں سے گدھے کی ہڈیوں کو جُڑتا اور اس پر گوشت چڑھتے دیکھا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(پھر جب اُسکے سامنے (یہ سب) واضح ہو گیا تو اُس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

یہ سب واضح ہونے کے بعد انھیں حق الیقین ہو گیا۔ اُنکا یقین اور بڑھ گیا اور کہنے لگے کہ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کئی چیزوں کا انھوں نے مشاہدہ کیا۔
1) کھانا پینا جس کے باقی رہنے کی مدت کم ہوتی ہے اُسے سو سال تک باقی رکھا۔
2) سو سال انھیں موت دینے کے باوجود اُن کا جسم بوسیدہ (Decayed) نہیں ہوا۔
3) انھیں اور گدھے کو موت دے کر اللہ نے انھیں دوبارہ زندہ کیا۔
اِس سے پتہ چلا کہ زندگی اور موت اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہیں اور موت کے بعد دوبارہ زندگی دینے پر بھی اللہ قادر ہے۔
آدمؑ کی پشت سے ہم سبھی کو نکالا گیا اس وقت زندگی تھی پھر ماں کے رحم میں زندگی دی گئی پھر پیدا ہونے کے بعد ایک نئی زندگی اِس دنیا کی شروع ہوئی۔ پھر موت آئیگی۔ اسکے بعد برزخ کی الگ زندگی ہوگی۔ برزخ کی زندگی کے بعد قیامت کے دن کی الگ زندگی ہوگی۔ مسلسل زندگی موت کے بعد آخرت کی الگ زندگی ہوگی جو ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ آخرت میں موت کو مینڈھے کی شکل میں ذبح کر دیا جائیگا۔ آخرت میں صرف زندگی ہوگی۔ عزیرؑ کو اس بارے میں بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ یہ سب کیسے کریگا۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھوں میں زندگی اور موت کا کنٹرول ہے۔
نمرود کو ابراہیمؑ نے کئی دلیلیں پیش کی تھی لیکن وہ نہیں مانا۔ عزیرؑ کا ایمان تھا کہ اللہ دوبارہ زندہ کر سکتا ہے لیکن وہ اِس کیفیت کو جاننا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مشاہدہ کرایا اور اِس مشاہدے سے اُنکا ایمان اور پختہ ہو گیا۔ اور اب یہ باتیں جاننے کے بعد ہمارا بھی ایمان اور زیادہ پختہ ہونا چاہیے۔ یہ ہمارے لیے بھی دلیلیں ہیں۔ قرآن کی ہر بات حق ہیں۔
اِن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جسکے دوست طاغوت ہو، وہ ہدایت نہیں پا سکتے اور جو اللہ کا دوست ہو، اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور جو حقیقت میں سچائی کو سمجھنا چاہتا ہو، اللہ اسے ہدایت دے دیتا ہے۔
اللہ ہر ایک کو ہدایت دینا چاہتا ہے لیکن ہدایت حاصل وہی کرتا ہے جو صحیح میں ہدایت پانا چاہتا ہے۔ پھر وہ دلائل پیش ہونے کے بعد اُسے سمجھ لیتا ہے اور اُسے تسلیم کر لیتا ہے۔ وہ پھر حجت بازیاں نہیں کرتا۔ تکبر نہیں کرتا بلکہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ لیکن جو ضد کا شکار رہو، جو ماننا نہ چاہے اُسے اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔

پچھلی آیتوں سے "زندگی اور موت" کا موضوع چل رہا ہے:
1) موت کے ڈر سے اپنے گھر سے لوگ نکل گئے تھے۔ انھیں موت دے کر پھر اللہ نے زندہ کیا۔
2) پچھلی آیتوں میں تھا اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ اسکا مطلب زندگی کو خطرہ ہے۔
3) طالوت اور جالوت کا قصہ بیان کر کے زندگی کی امید دلائی گئی۔
4) آیت الکرسی میں بتایا گیا اللہ زندگی اور موت کا مالک ہے۔ الحی القیوم
5) ابراہیمؑ کا نمرود کے ساتھ مناظرہ جس میں ابراہیمؑ کو قتل کرنے کا زیادہ امکان تھا۔ حالانکہ انھوں نے پہلی دلیل ہی یہی پیش کی کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ یعنی تم موت نہیں دے سکتے۔
6) عزیرؑ (یا جو بھی شخص تھا) سوچنے لگا کہ اس بستی کی موت کے بعد اللہ کیسے زندگی دے گا۔
7) اگلی آیت میں ابراہیمؑ کے قصے میں بھی زندگی اور موت کا موضوع ہوگا۔